اسلامی تربیت اور معاشرے پر اس کے اثرات

از جناب آباد شاہپوری صاحب

"گذشتہ سال ریاض (سعودی عرب) میں فقہ اسلامی کی جو کانفرنس ہوئی تھی اس میں "اردو ڈائجسٹ" لاہور کے نمائندے کی حیثیت سے راقم الحروف کو بھی دعوت نامہ ملا تھا، لیکن حکومت کی طرف سے اجازت نہ مل سکنے کے باعث نہ جا سکا۔ یہ مقالہ کانفرنس میں پڑھنے کے لیے لکھا تھا اور اس کا عربی ترجمہ امام محمد بن سعود یونیورسٹی کے چانسلر کو بھجوا دیا تھا۔"

۱۔ معاشرہ افراد کے مجموعے کا نام ہے۔ فرد کی مثال اُس مرکزہ (NUCLEUS) کی ہے جس کے اردگرد خلیے جمع ہوتے ہیں اور پھر ایک وجود تشکیل پاتا ہے۔ یہ مرکزہ جس نوعیت کا ہوتا ہے، اُس کو وجود میں لانے کے پیچھے جو نظریہ اور ارادہ کارفرما ہوتا ہے، معاشرہ بھی اسی نوعیت کا وجود میں آتا ہے۔ ایک پودے کے مرکزہ سے پودا ہی پیدا ہوتا اور برگ و بار لاتا ہے۔ کسی جانور کے مرکزہ سے جانور ہی جنم لیتا ہے اور انسان کے مرکزہ سے انسان ہی صورت پذیر ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی معاشرے کے مرکزوں (افراد) سے اُسی نوعیت کا معاشرہ وجود میں آئے گا جس نوعیت کے وہ مرکزے ہوں گے۔ پھر جس طرح پودے اور درخت کی پیدائش اور نشوونما کا انحصار مخصوص بیج، مخصوص طریق کاشت، زمین کی ماہیت اور آب و ہوا کی کیفیت پر ہوتا ہے اور کسی جانور اور انسان کو وجود میں آنے کے لیے مخصوص مرکزوں اور خلیوں، مخصوص تخلیقی عمل، خصوصی ماحول، خاص قسم کی غذا اور خصوصی عوامل درکار ہوتے ہیں، اسی طرح فرد جس ماحول میں پرورش پاتا ہے، اس کی فکری صلاحیتیں، کائنات، خالقِ کائنات اور کائنات میں انسان کا مقام متعین کرنے والے جس فلسفے اور نظریے کے تحت نشوونما پاتی ہیں، اُس کی سیرت جس اخلاقی سانچے میں ڈھلتی ہے،

اور وہ زندگی کے جس مقصد کو اپنا کر اپنا منہاجِ عمل متعین کرتا ہے، اس سے تشکیل پانے والا معاشرہ اسی ماحول، اسی فلسفے اور نظریے، اسی سیرت و کردار، انہی اخلاقی اصولوں اور اسی منہاجِ عمل کا حامل ہوگا۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ افراد کے افکار و نظریات، مقصدِ زندگی اور اخلاقی اصول تو کچھ اور ہوں مگر اُن کے مجموعے سے جو معاشرہ صورت پذیر ہو اس کی خصوصیات بالکل برعکس ہوں۔

۲۔ افراد کے افکار و نظریات اور سیرت و کردار کے سانچے میں معاشرہ کس طرح ڈھل جاتا ہے اس کا عہد بعہد سرسری جائزہ بھی اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں، اس لیے ہم جدید دَور کے حوالے سے بات کریں گے۔

(۱)۔ جدید عمرانیات میں انسان کو معاشرتی جانور (SOCIAL ANIMAL) قرار دیا گیا ہے۔ اس تصوّر کی بنیاد پر دو قسم کے معاشرے وجود میں آتے ہیں۔ ایک وہ جس میں انسان جانور ہی کی طرح آزاد ہے کہ وہ جو روش چاہے اختیار کرے، جس کھیت اور چراگاہ میں چاہے منہ مارے، اُسے کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ اس لیے کہ وہ بنیادی طور پر جانور ہے اور یہ اس کی جبلت کا تقاضا ہے۔ مگر چونکہ وہ عام جانوروں سے زیادہ مہذب، شائستہ اور صاحبِ عقل و دانش ہے اور اس کے لیے معاشرتی زندگی بسر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، اس لیے کچھ حدود مقرر کر دی گئی ہیں کہ بس وہ کسی کھیت میں منہ مارتے وقت، اپنے نفس کی کوئی احتیاج پوری کرتے وقت، اپنی کسی خواہش کو عملی جامہ پہناتے وقت اس بات کا خیال رکھے کہ یہ سارے کام دوسرے معاشرتی جانوروں کی رضامندی سے ہوں۔ یہ رضامندی اسے حاصل ہو جائے تو پھر کوئی بدی، بدی نہیں، کوئی لاقانونیت، لاقانونیت نہیں، کسی کی حق تلفی، حق تلفی نہیں، کسی کی بے آبروئی، بے آبروئی نہیں اور کسی کی عصمت و ناموس، عصمت و ناموس نہیں۔ وہ فریقِ ثانی کی رضا کے ساتھ ہر غیر اخلاقی، ہر ظلم اور ہر جرم کر سکتا ہے۔ دوسرے معاشرتی جانوروں کو لوٹ کھسوٹ کر اپنا گھر بھر سکتا ہے اور دوسروں کو تباہ کر کے عیش و نشاط کے ٹھاٹھ جما سکتا ہے، کسی کی ناموس کو اپنے گھر میں ڈال سکتا ہے یا گھر میں ڈالے بغیر اس سے کھیل سکتا اور نفس کی آگ بجھا سکتا ہے۔ البتہ اگر وہ جبراً کرتا ہے تو یہ جرم ہے اور بُری بات۔ اب مہذب جانوروں کا معاشرہ مجبور ہے کہ وہ ایسے کسی غیر مہذب، ناشائستہ فعل کا احتساب کرے اور اپنے قانون کو حرکت میں لے آئے۔

یہ نقطۂ نظر اس ریاست کی قانون سازی میں بھی پوری طرح کارفرما ہوتا ہے جو یہ "معاشرتی جانور"

قائم کرتے ہیں - اس طرح یہ حیوانی آزادی محض افراد تک محدود نہیں رہتی بلکہ اجتماعی صورت اختیار کرلیتی ہے اور ریاست کے ہر ادارے میں ان کی یہ حیوانیت رقصاں دیکھی جاسکتی ہے اور جب اس جانور کا سابقہ اپنے معاشرے سے باہر دوسرے معاشروں سے پڑتا ہے تو اس کی مہذّب حیوانیت، اس کے شائستہ فلسفے، ترقی پسندانہ قوانین اور روشن خیالی پر مبنی ضابطے، سب طاق میں دھرے رہ جاتے ہیں - اب وہ درندہ بن کر نمودار ہوتا ہے جو اپنے سے کمزور جانوروں کو چیرتا پھاڑتا ہے، ان کے حقوق غصب کرتا ہے، ان کی زمینوں پر قبضہ جماتا اور انہیں اپنا غلام بناتا ہے اور اس باب میں وہ کسی بھی حد اور رکاوٹ کا قائل نہیں رہتا۔

دوسرا معاشرہ وہ ہے جس میں "معاشرتی جانوروں" کا ایک چھوٹا سا چالاک و ہنرمند گروہ، اپنے عام ہم جنسوں یا ان کے ایک خاص طبقے کے نام پر معاشرے کی باگ ڈور سنبھال لیتا ہے اور پھر اس کے ساتھ جانوروں کا سا سلوک کرتا ہے - انہیں اسی طرح اپنی لاٹھی سے ہانکتا ہے جس طرح کوئی ظالم چرواہا بے زبان اور بے بس و مجبور مویشیوں کو ہانکتا ہے - انہیں نپا تُلا چارہ اور راتب دیتا ہے - دن کے دس دس بارہ بارہ گھنٹے ان سے کام لیتا ہے اور پھر انہیں "باڑوں" میں واپس بھیج دیتا ہے کہ چند گھنٹے آرام کرکے اگلے روز کا مقررہ کام (N O R M S) کرنے کے لیے تازہ دم ہوجائیں - اس ظالمانہ سلوک میں وہ مرد و عورت میں کوئی امتیاز نہیں کرتا - اس معاشرے میں "معاشرتی جانور" کی حیوانیت کے کامل مظاہر دیکھے جاسکتے ہیں - یہاں چرواہے پوری کوشش کرتے ہیں کہ معاشرتی جانوروں میں آزادانہ سوچنے سمجھنے اور بولنے کی جو صلاحیتیں پائی جاتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں انتخاب اور ارادے کی جو آزادی بخشی ہے ان سے وہ کام نہ لے پائیں بلکہ سوچ کا جو سانچا وہ (چرواہے) تیار کریں اس میں یہ صلاحیتیں ڈھل جائیں اور ان کی خودی موت کے گھاٹ اتر جائے اور وہ عام جانوروں کی طرح انتخاب اور ارادے کی قوت اور آزادی سے محروم ہوجائیں۔

ب - اس نظریے کی بنیاد پر جو معاشرہ وجود میں آتا ہے اس کا فلسفہ یہ ہے کہ یہ دوٹنگا جانور اپنے کسی پیدا کرنے والے کے آگے جواب دہ نہیں - نہ کوئی خدا ہے نہ رسول نہ کتاب، نہ حشر و نشر - ان کی زندگی بس اسی دُنیا تک محدود ہے اور ان کا کام بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ ذرا عام جانوروں کی نسبت مہذّب طریقے سے رہیں سہیں، چریں چگیں، نسل بڑھائیں اور مر جائیں -

۴۔ اسلام کا انسان کے بارے میں تصور اس سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے نزدیک وہ خدا کی افضل ترین (MOST EXALTED) مخلوق ہے، وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (الاعراف: ۱۳۹)، جس کو اس نے بہترین ساخت کے ساتھ پیدا کیا ہے، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین: ۴)، اسے زبردست فکری و عملی قوتیں اور صلاحیتیں عطا کی ہیں، هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ (الملک: ۲۳) اور زمین پر اپنا نائب (VICE GERENT) بنایا ہے، هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ فِي الْاَرْضِ (فاطر: ۳۹)۔ پھر اس افضل ترین، بہترین ساخت اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والی مخلوق کو بے مقصد نہیں پیدا کیا کہ کھائے پیئے، چند روزہ زندگی کے مزے لوٹے اور مر جائے۔ نہیں وہ آزمائش کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس مقصد کے لیے اسے حق و باطل، نیکی اور بدی کی راہ کو منتخب کرنے اور اس پر چلنے کی پوری آزادی بخشی گئی ہے۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ (الدھر: ۲، ۳)۔

بے شک اس افضل ترین مخلوق ـــــ انسان ـــــ میں ایک حیوان بھی ہے جس کے بغیر انسان کی انسانیت کی تکمیل ہی نہیں ہو سکتی۔ تاہم انسانی قالب کی پوری مشینری میں اسے بالکل ناگزیر حیثیت دی گئی، اور اسے قابو میں رکھنے کے لیے انسان کو بدی اور نیکی کا احساس اور ان میں امتیاز کرنے کے لیے ضمیر کی قوت اور علم (وحی الٰہی) کی روشنی بخشی گئی۔ اس حیوان کے حدود عمل بھی متعین کر دیے کہ ان کے دائرے میں رہ کر اپنا تخلیقی فریضہ سرانجام دے۔ اس حیوان کا انسان پر بس اتنا حق ہے کہ وہ اسے زندہ رہنے کا اس قدر سامان فراہم کرتا رہے کہ اس کی یہ زندگی انسان کو اپنے فرائض بندگی ادا کرنے کے قابل بنائے اور اتنا نہ پالے پوسے کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بغاوت اور سرکشی پر آمادہ کر دے۔ گویا اسلام انسان کے اندر کے حیوان کو نہیں انسان کو اہمیت دیتا ہے اور اس انسان کی دنیا میں بقا و ترقی اور آخرت میں نیک انجام کو اس کا اصل مقصدِ زندگی قرار دیتا ہے۔

یہ سارا اہتمام انفرادی طور پر کیا گیا ہے۔ یعنی پورے معاشرے یا کسی خاص طبقے کو اجتماعی طور پر نہیں بلکہ ہر شخص کو فرداً فرداً ان تمام قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے۔ اس لیے ہر انسان کو اس کے طرزِ عمل کا ذمہ دار بھی فرداً فرداً گردانا گیا ہے اور آخرت میں بھی ہر شخص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اسی طرح فرداً فرداً

حاضر ہوگا جس طرح فرداً فرداً وہ دنیا میں آیا تھا، وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (الانعام: ۹۴) اور پھر اس سے دنیوی زندگی کے شب و روز کے ایک ایک لمحے کا حساب لیا جائے گا اور اسے پوری پوری جزا اور سزا دی جائے گی۔ وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰى ثُمَّ یُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى (النجم: ۴۱)۔ وہاں ہر فرد کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا اور دنیا کی زندگی میں اس نے جیسی کچھ جدوجہد آخرت کی زندگی کے لیے کی تھی ویسا ہی پھل اسے مل جائے گا۔ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم ۳۸-۳۹)، اور اس کا یہ عذر قابل سماعت نہ ہوگا کہ وہ معاشرے کے مقابلے میں بے بس تھا اور اسے دنیوی رہنماؤں اور مذہبی پیشواؤں نے غلط اور سرکشی کے راستے پر چلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا (الاحزاب: ۶۷) وہ درخواست کرے گا کہ ان لیڈروں اور پیشواؤں کو دوہرا عذاب دیا جائے رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا (الاحزاب: ۶۸) ان کی اس التماس پر کہا جائے گا کہ لیڈروں اور پیشواؤں اور ان کے اندھے پیروؤں سب کو دوہرا عذاب ملے گا لِكُلٍّ ضِعْفٌ (الاعراف: ۳۸)۔

اس طرح اسلام انسان کا مقام و مرتبہ متعین کرنے کے ساتھ ساتھ فرد اور معاشرے کا مقام اور حیثیت بھی متعین کر دیتا ہے۔ یعنی فرد معاشرے کی تخلیق نہیں بلکہ بہت سے افراد مل کر معاشرہ تخلیق کرتے ہیں۔ یہ افراد جن افکار و نظریات اور عقائد و اخلاق کے سانچے میں ڈھلے ہوں گے، معاشرہ بھی انہی افکار و نظریات اور عقائد و اخلاق پر مبنی ہوگا۔ اور چونکہ قیامت کے روز ہر فرد انفرادی طور پر اپنے اعمال و افعال کا جواب دہ ہے، اس لیے معاشرے کو یہ حق نہیں ہے کہ افراد کو ان کے افکار و نظریات اور عقائد و اخلاق کے مطابق زندگی بسر نہ کرنے دے اور انہیں اپنی مرضی کی لاٹھی سے جانوروں کی طرح ہانکتا پھرے، اس لیے کہ انسان جانور نہیں اشرف المخلوقات ہے۔

۵۔ اسلام کے نقطۂ نظر سے انسان کے اس مقام اور اس کی انفرادی حیثیت کو مدنظر رکھیے اور اب دیکھیے کہ اسلام کس قسم کا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے۔

اسلامی معاشرہ دنیا کے تمام معاشروں سے بالکل جدا رنگ رکھتا ہے۔ یہ نہ نسل و نسب پر مبنی ہے اور نہ زبان اور وطن پر۔ بلکہ یہ تہذیبی اور نظریاتی بنیادوں پر تشکیل پاتا ہے۔ اس کی تشکیل بھی وہی

لوگ کر سکتے ہیں اور اسے راست بنیادوں پر قائم بھی وہی رکھ سکتے ہیں جو ان بنیادوں کو نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ اپنی انفرادی زندگی کو ان پر ٹھیک ٹھیک استوار بھی کرتے ہیں۔ خواہ وہ کسی سرزمین سے تعلق رکھتے ہوں اور نسل ونسب، رنگ اور زبان اور وطنی قومیت وغیرہ کی کوئی قدرِ مشترک ان کے درمیان نہ ہو۔

اسلامی معاشرے کا کلمۂ جامع لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ یہ وہ پاک کلمہ ہے جس پر ایمان لانے کے بعد ایک شخص اسلامی معاشرے کو تشکیل دینے والی ایک اکائی بن جاتا ہے۔ یہی مختصر سا بول اسلامی معاشرے کو وہ تہذیبی اور نظریاتی بنیادیں فراہم کرتا ہے جس پر اس کی عظیم اور دلکش عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ اس کلمہ کو ادا کرنے کے بعد ایک شخص یہ تسلیم کرلیتا ہے کہ اس کا اور اس کے گردوپیش پھیلی ہوئی ساری کائنات کا خالق، مالک، آقا اور حکمراں اللہ تعالیٰ ہے، جس نے اپنے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ نوعِ انسان کو وہ نظامِ فکروعمل بخشا ہے جو زندگی کے ایک ایک شعبے پر حاوی ہے اور جسے اپنائے بغیر انسان نہ دنیا کی زندگی چین اور اطمینان سے بسر کرسکتا ہے اور نہ آخرت میں نجات پاسکتا ہے۔

یہ نظامِ فکروعمل افراط وتفریط سے پاک ہے۔ انسان کے لیے دو انتہاؤں سے ہٹ کر متوسط راستہ متعین کرتا ہے۔ اس لیے اسلامی معاشرہ ایک متوازن معاشرہ ہے۔ عبادت ہو یا سیاست ومعاشرت، معیشت ہو یا کوئی اور شعبۂ زندگی، اس کے احکام اور تعلیمات ہر معاملے میں اعتدال پسندانہ ہیں، پھر یہ ایک غیر طبقاتی اور غیر نسلی معاشرہ ہے جس میں کالے گورے، عربی عجمی، امیر وغریب، آقا وغلام کے درمیان کوئی امتیاز نہیں، نہ یہاں پیدائش یا پیشے کے اعتبار سے کوئی شخص شریف اور رذیل ہے۔ سب مسلمان برابر اور بھائی بھائی ہیں۔

اسلامی معاشرہ بے مقصد معاشرہ نہیں۔ یہ انسان کو دنیا میں نیکی، راست روی اور حق پرستی کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اُمتِ مسلمہ کا مقصدِ وجود یہ ہے کہ عالمِ انسانیت کے سامنے اپنے عمل سے گواہی دے کہ اسلام زندگی کا جو نظام دیتا ہے وہی دنیا اور آخرت میں فلاح وکامرانی کا بہترین نظام ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ: ۱۴۳)۔ اس لحاظ سے یہ ایک مثالی معاشرہ ہے، اور ساری دنیا کے لیے بہترین نمونۂ اتباع۔

۶ ۔ ایسا مثالی معاشرہ، مثالی اور کامل السیار افراد ہی وجود میں لا سکتے ہیں ۔ اسی لیے اسلام افراد کی فکری و عملی تربیت کو بنیادی اہمیت دیتا ہے ۔ وہ انہیں قانون کی لاٹھی سے ہانکنے یا اجتماعی قوت کے ذریعے ایک ضابطہ میں کس دینے کے بجائے ان کے فکر و نظر میں انقلاب برپا کرتا ہے، ان کے سوچنے سمجھنے کے زاویے بدلتا ہے، زندگی اور کائنات اور خدا کے بارے میں ان کے غلط تصور کو بدل ڈالتا ہے، ان کی پسند اور ناپسند کا معیار بدلتا ہے، ان کی دلچسپیوں کے مرکز اور دائرے تبدیل کرتا ہے۔ غرض وہ تمام تبدیلیاں جو دوسری نظریاتی و تہذیبی قوتیں جبر و تشدد کے ہتھیاروں سے لاتی ہیں وہ اسلام، افراد کے دل و نگاہ کی تبدیلی سے لے آتا ہے ۔ اس تبدیلی کے بعد وہ ان کی سیرت و کردار کو تربیت کے مخصوص سانچے میں ڈھال دیتا ہے ۔ وہ قانون نافذ کرتا بھی ہے تو ایسی فضا اور ماحول پیدا کرنے کے لیے جس میں افراد کو اس تربیت میں مزید مدد مل سکے اور اس کے منافی اور ناسازگار ماحول جنم نہ لے سکے ۔

اسلام کی اس تربیت کے چند بنیادی اور اہم رخ حسب ذیل ہیں :۔

ا ۔ یہ تربیت ایک مسلمان میں اسلامی نظریۂ حیات کی برتری اور اس کے برحق ہونے کا پختہ و کامل یقین پیدا کرتی ہے تاکہ وہ دنیا کے دوسرے نظریات سے مرعوب نہ ہونے پائے خواہ وہ نظریات زمانے میں کتنے ہی مروّج اور غالب و طاقتور کیوں نہ ہوں ۔ اُن کے باطل ہونے پر اس کا پختہ ایمان ہو، ان کے پھیلائے ہوئے فکری و نظریاتی اور مادی جال کو وہ تارِ عنکبوت سمجھے جو حقیقت و صداقت اور ایمان کی قوت کے آگے نہیں ٹھہر سکتا ۔ حالات چاہے کیسے ہی رُوح فرسا اور مایوس کن ہوں اور دنیا کا دھارا چاہے کتنے ہی مخالف رُخ پر جا رہا ہو اور بادِ مخالف کتنی ہی تند و تیز ہو، اُس کا دل یقین کے اس نور سے منور رہے کہ حق وہی ہے جس پر وہ ایمان لایا ہے ۔

ب ۔ یہ تربیت اسلامی نظریے پر ایمانِ کامل اور پختہ یقین پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمان کی زندگی کو عملی رنگ میں اس طرح رنگتی ہے کہ یہ زندگی پکار پکار کر شہادت دیتی ہے کہ اُس کا واقعی اِس نظریۂ حیات کے برحق ہونے پر ایمان ہے ۔ قول و عمل کی ہم آہنگی ہی وہ قوت ہے جو حق کی تلاش میں سرگرداں اور حق کی خواہاں دنیا کو متاثر کرتی ہے ۔ قول و عمل کا تضاد منافقت کی علامت ہوتا ہے اور نفاق وہ روگ ہے جو کسی معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دیتا ہے ۔ اسی لیے اسلام کا تربیتی پروگرام قول و عمل میں مطابقت پر بہت زیادہ زور دیتا ہے ۔

ج۔ مقصد سے محبت، عزمِ راسخ اور مضبوط کردار پیدا کرتی ہے تاکہ وہ حق کے سوا ہر چیز کو ٹھکرا دے، اپنے موقف پر پہاڑ کی طرح جما رہے، اصولوں پر نہ مصالحت کرے اور نہ مداہنت پر آمادہ ہو، نہ لوگوں کی خواہشات کا اتباع کرے، حق میں کسی کو ساجھی نہ بنائے، مزاحم قوتوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرے اور باطل کے دباؤ میں نہ آئے۔

د۔ یہ تربیت خدا پرستی اور اللہ کے سامنے گہرا لگاؤ پیدا کرتی ہے۔ دل و دماغ میں یہ بات راسخ کر دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت سب طاقتوں سے بالا اور زبردست ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ اس کے سوا کسی سے خوف نہ کھائے اور ہر غیر اللہ سے کٹ کر اُس کا ہو جائے۔ اُسی پر توکل اور بھروسا کرے۔ اُس کی راہ میں آنے والی مشکلات و مصائب کا مقابلہ صبر و استقامت سے کرے۔ اس کے شب و روز خدا خوفی، تقویٰ، امانت و دیانت، عدل و احسان، صدقِ مقال، وفائے عہد، راستبازی، پاکیزگیٔ سیرت، طہارتِ کردار اور اخلاقِ فاضلہ کے سانچے میں ڈھالتی ہے۔ معاشرے کو بگاڑنے والے اسباب و عوامل کے خلاف اس کے دل میں نفرت کے نہ مرنے والے بیج بو دیتی ہے۔ توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد سے دنیا اور آخرت میں جو اخلاقی نتائج رونما ہوتے ہیں اُن کا احساس قلب و ذہن میں اتنا گہرا بٹھاتی ہے کہ جب بھی انسان کوئی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے نتائج و عواقب اس کی لوحِ ذہن پہ اُبھر آتے ہیں اور اگر وہ نتائج بُرے ہوں تو اُس کا یہ احساس فوراً اس کے قدم روک دیتا ہے۔

س۔ جماعتی شعور اور نظم و ضبط پیدا کرتی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور بے چون و چرا اطاعت کا سبق سکھاتی ہے۔

ش۔ حق گو، بے باک اور بے خوف بناتی ہے تاکہ مسلمان، معاشرے کو سیدھے راستے پہ گامزن رکھنے میں ساعی ہوں اور غلط راہوں پر جانے سے روکیں۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علمبردار بن کے رہیں۔ انہیں اُٹھایا ہی اس لیے گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(آل عمران: ۱۱۰)۔ اس فرض کو انجام نہ دینے سے ایمان تک مشتبہ ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی مُنکر کو دیکھے اُسے چاہیے کہ وہ اُس کو ہاتھ (یعنی طاقت) سے روک دے، لیکن اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اس کے خلاف آواز بلند کرے، اور اگر اس کی ہمت بھی نہ ہو تو پھر کم از کم

اپنے دل میں اُسے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ من رأی منکم منکراً فلیغیّرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذٰلک اضعف الایمان (مسلم) ایک اور حدیث میں ہے کہ اس سے ورے رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے ولیس وراء ذٰلک من الایمان حبۃ خردل یعنی منکر کو اگر کوئی مسلمان دل میں بھی بُرا نہیں سمجھتا، اس سے سازگاری پیدا کر لیتا ہے یا غیر جانبدارانہ رویّہ اختیار کرتا ہے، تو اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔

ﻫ۔ تربیت اسلامی اس قدر اخلاص پیدا کرتی ہے کہ وہ نیکی کا جو کام بھی کرتا ہے محض اللہ کی خاطر اور خوشنودی کے لیے کرتا ہے۔

۷۔ یہ ہے وہ تربیت جو اسلام اپنے حلقہ بگوش افراد کی کرتا ہے، جن کے جماعتی زندگی بسر کرنے سے اسلامی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی کے بارہ برسوں میں جو افراد تیار کیے انہیں انہی خطوط پر تربیت دی اور ان کا تزکیہ کردار کیا۔ پھر جب ان افراد نے مدینہ کی زندگی میں باقاعدہ ایک معاشرے کی صورت اختیار کر لی اور ایک اسلامی ریاست قائم ہو گئی اور یدخلون فی دین اللہ افواجاً کا سماں بندھ گیا تو اُس زمانے میں بھی خواہ دورِ امن ہوتا یا حالتِ جنگ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کی تربیت باقاعدہ کرتے رہتے تھے۔ مدینہ کی زندگی میں اسلامی تہذیب و تمدن، عبادات، معاشی زندگی اور سیاسی نظام کے احکام دیے اور قوانین نافذ کیے گئے۔ لیکن ان احکام و قوانین کو نافذ کرنے سے پہلے افراد کو ذہنی طور پر تیار کیا گیا تاکہ وہ انہیں اپنی دنیا اور آخرت کی زندگی سنوارنے کا موجب سمجھتے ہوئے پوری خوشدلی کے ساتھ قبول کریں۔ حضورؐ کی حیاتِ مبارکہ میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کوئی قانون بجبر نافذ کیا گیا ہو بلکہ کیفیت یہ تھی کہ اہلِ ایمان اشارۂ ابرو کے منتظر رہتے تھے کہ حضورؐ کوئی حکم فرمائیں اور ہم اس کی پیروی کر کے دنیا اور آخرت کی سعادتیں سمیٹیں۔

اس تربیت سے جس قسم کے افراد تیار ہوئے ان کی نظیر دنیا کا کوئی معاشرہ اور غیر مسلم تاریخ کا کوئی دور پیش نہیں کر سکتا۔ تصور کیجیے جس معاشرے کے افراد صرف ایک اللہ کی غلامی اور ایک رسولؐ کی قیادت تسلیم کرتے ہوں، پاک دل و پاکباز ہوں، اخلاقِ فاضلہ سے جن کی زندگیاں مزین ہوں، جو ایک دوسرے کی جان و مال اور آبرو کا احترام ہی نہ کرتے ہوں بلکہ محافظ بھی ہوں، جھوٹی تہمتیں نہ باندھیں، ٹونے ٹوٹکوں، جادو اور توہمات کے اسیر نہ ہوں، علم کی روشنی سے جن کے قلب و ذہن تابندہ ہوں، جو امانت دار ہوں،

عہد و پیمان کے پابند ہوں، انصاف پسند ہوں، جن کا دامن شراب خوری، زنا، ڈاکہ زنی، چوری، جھوٹ، منافقت، حرص و طمع اور دوسرے اخلاقی ذمائم سے پاک ہو، جو فحش گوئی اور فحاشی سے دور بھاگتے ہوں، یتیموں اور کمزوروں کے حقوق غصب نہ کرتے ہوں، ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں، صدقہ و خیرات اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے سے مسابقت کرتے ہوں، عام نوعِ انسان کے غمخوار اور ہمدرد ہوں، آپس میں بھائی بھائی ہوں، اہلِ حق کے لیے نرم خو ہوں اور کافروں اور باطل پرستوں کے لیے سخت، فرض شناس اور ذمہ دار ہوں، صداقت شعار، وفا کیش، حق پرست، حق گو اور نڈر ہوں، ایک اللہ کے سوا کسی کے آگے نہ جھکتے ہوں نہ خوف کھاتے ہوں، ایسے افراد سے جو معاشرہ وجود میں آئے گا اس کی کیا کیفیت ہوگی؟

ایسا ہی معاشرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار فرمایا تھا۔ اسلام سے پہلے عرب جاہل، ان گھڑ، غیر مہذب اور ان پڑھ تھے۔ لیکن جب اس جاہلی معاشرے کی جگہ اسلامی تربیت یافتہ افراد پر مشتمل اسلامی معاشرے نے لی تو یہی لوگ ایسے عظیم عالم، جج، جرنیل، سیاستدان اور قانون داں بن کر اٹھے کہ جس طرف نکل گئے انہوں نے زمانے کا رُخ موڑ دیا۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا دھارا نئی شان و شوکت سے نئی راہ پر بہنے لگا۔ پہلے ہر طرف جہالت و وحشت کی تاریک رات طاری تھی۔ یہ حق کا پیغام لیے جہاں پہنچے صبح روشن نمودار ہوگئی۔

یہ اسی تربیت اسلامی کا اثر تھا کہ اسلامی معاشرہ صدیوں تک دنیا کے تمام معاشروں پر چھایا رہا۔ یورپ نے علم و تہذیب کی روشنی اسی سے لی اور اپنی تاریک راہوں کو منور کیا۔ جب تک افراد کی تربیتِ اسلامی کا اہتمام اسلامی معاشرے میں ہوتا رہا دنیا کی علمی و تہذیبی اور سیاسی قیادت اس کے ہاتھ میں رہی، لیکن جب یہ اہتمام پہلے کمزور پڑا اور پھر آہستہ آہستہ ختم ہوگیا تو دوسری نظریاتی اور تہذیبی قوتیں اس پر حملہ آور ہوگئیں۔ یہاں تک کہ اسلامی قلعے کی جو فصیلیں تربیتِ اسلامی نے تعمیر کی تھیں وہ ایک ایک کرکے منہدم ہوتی چلی گئیں اور مسلمانوں کے گھروں میں تربیت اسلامی سے عاری ایسے نوجوان مرد و زن بکثرت پیدا ہونے لگے جو ان بیرونی تہذیبی طاقتوں سے متاثر تھے۔ دشمن باہر سے حملہ آور تھا اور یہ اندر سے نقب لگا رہے تھے اور باقی معاشرے پر سحر زدگی کا عالم تھا کہ وہ خود اُس اسلامی تربیت سے تہی دامن ہو چکا تھا جس نے اُسے شعور و وجود بخشا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان ملک نہ صرف سیاسی طور

پر ان حملہ آوروں کے غلام بن گئے بلکہ وہ ان کی تہذیبی یلغار کے آگے بہہ نکلے۔

آج عالم اسلام جن حالات سے دوچار ہے وہ صحیح اسلامی تربیت کے فقدان ہی کا نتیجہ ہیں۔ اسلامی معاشروں میں ساری کمزوریاں اسی راہ سے آئی ہیں۔ امام دار الہجرۃ امیر المومنین فی الحدیث مالک بن انسؒ کا قول ہے کہ اس امت کے پہلے حصے کی اصلاح جس چیز کی بدولت ہوئی تھی اسی کے ذریعے آخری حصے کی اصلاح بھی ہوگی۔ ہم اپنے اسلامی تشخص کی بازیافت کی جو جدوجہد کر رہے ہیں اس میں ہم اسی وقت کامیاب ہوں گے جب ہمارے معاشرے اپنے افراد کی تربیت انہی اسلامی خطوط پر کریں گے جن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّلین اسلامی معاشرے کے افراد کی تربیت کی تھی۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔